اپنا گھر

مسرّت کلانچوی

اپنا گھر
مسرّت کلانچوی
www.KitaboSunnat.com
دارُالسّلام
کتاب و سنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک
DARUSSALAM

مكتبة دار السلام، ١٤٢٤هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
كلانجوى، مسرت
بيتي. / مسرت كلانجوى. - الرياض، ١٤٢٤هـ
٦٤ ص ١٤×٢١ سم
ردمك: ٢-٩٨-٨٩٧-٩٩٦٠
(النص باللغة الاوردية)
١- المسرحيات الاوردية أ.العنوان
ديوي: ٨٩١,٤٣٩٢٩٥٤ ٧٠٤٩/٧٠٤٩

رقم الإيداع: ١٤٢٤/٧٠٤٩
ردمك: ٢-٩٨-٨٩٧-٩٩٦٠

منتظمِ اعلیٰ : عبدالمالک مجاہد

مجلسِ انتظامیہ : حافظ عبدالعظیم اسد منیجر دارالسلام لاہور ☆ محمد طارق شاہد انچارج شعبہ ادبِ الاطفال والشباب

آرٹ ڈائریکٹر : زاہد سلیم چودھری

اشاعتِ اوّل : مارچ 2004

ہیڈ آفس (سعودی عرب)
پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa Website: www.dar-us-salam.com

پاکستان
ہیڈ آفس ومرکزی شوروم
● 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 7110081-711023-7232400-7240024 42 0092
فیکس: 7354072 E-mail: darussalampk@hotmail.com

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624
لندن فون: 5202666-208-0044 فیکس: 5217645 208
امریکہ ● ہوسٹن فون: 7220419-713-001 فیکس: 7220431
● نیویارک فون: 6255925-718-001 فیکس: 1511 625

پیش لفظ

گھر، ایک خاندان کا آشیانہ ہوتا ہے۔ اسے جنت بنانے میں کلیدی کردار ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ادا کرتی ہیں۔ وہ اپنی حکمت، تدبیر اور عقل وفہم سے اپنے چھوٹے سے آنگن کو خوشیوں سے بھر دیتی ہیں اور پورا گھرانا اُن کی خوش تدبیری سے مہکنے لگتا ہے۔ لیکن عورت کے یہی روپ جب ناسمجھی کی وجہ سے اپنی ہی راہوں میں کانٹے بونے لگتے ہیں تو خاندان............نفرت کی آگ میں بھسم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں بگاڑ کی ایک بڑی وجہ غیبت ہے۔ خواتین کی اکثریت اس گناہِ بےلذت کی مرتکب ہوتی رہتی ہے۔ غیبت کے نتیجے میں جہاں دلوں میں دراڑیں پڑتی ہیں، وہاں رشتوں کے بندھن بھی کمزور تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے: ”کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو (بغیر تصدیق کے) آگے بیان کر دے۔“

خاوند اور بیوی کا تعلق بہت نازک ہوتا ہے۔ یہ نزاکت خاوند کے رشتوں کی حرمت کے حوالے سے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ بیوی دانا اور ذی فہم ہو تو شک' گمان اور بے جا وسوسوں کا شکار ہونے کی بجائے، اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے، اپنے گھر کو مضبوط بنانے کی طرف توجہ دیتی ہے۔ کبھی رشتوں کی تقدیس کو پامال نہیں ہونے دیتی۔ اس کے نتیجے میں اُسے سسرالی گھر کو ”اپنا گھر“ بنانے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی۔

ڈراما ”اپنا گھر“ نازک رشتوں کے نازک جذبات واحساسات کا آئینہ دار ہے۔ شک کے زہر، وسوسوں کی تلخی، برداشت وتحمل کی بنت سے لکھا گیا یہ ڈراما خواتین کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

والسلام

عبدالمالک مجاہد

کردار:

ریحانہ = دل کی اچھی لیکن دوسروں کی باتوں میں آ جانے والی ناسمجھ نو بیاہتا لڑکی۔

عاصم = ریحانہ کا شوہر۔ جذباتی لیکن نیک لڑکا۔

راضیہ = عاصم کی نیک دل ماں

طاہر = عاصم کا سمجھدار باپ

آسیہ = ریحانہ کی غصہ والی ماں

داؤد = ریحانہ کا ہمدرد باپ

سلمٰی = ریحانہ کی سہیلی جو اسے بھڑکاتی رہتی ہے۔

ثوبیہ = عاصم کی نیک بھابی

نسرین = عاصم کی مخلص بہن

آپا جی = محلے میں قرآن مجید پڑھانے والی ایک بزرگ خاتون

ثریا = ایک مظلوم لڑکی

قاسم = عاصم کا بڑا بھائی

روبی = عاصم کی کزن

(قدموں کی چاپ)

سلمیٰ : السلام علیکم!

ریحانہ : وعلیکم السلام، آؤ سلمیٰ، کیا حال ہے؟

سلمیٰ : میں ٹھیک ہوں۔

ریحانہ : بڑے دنوں کے بعد آئی ہو......اچھی سہیلی ہو؟

سلمیٰ : میں باجی سے ملنے ملتان گئی ہوئی تھی۔ کل واپس آئی تو گھر میں تمہاری شادی کا کارڈ آیا ہوا تھا۔ یہ چپکے چپکے اچانک تمہارے گھر والوں نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا؟

ریحانہ : ہاں بس! امی کہتی ہیں اچھا رشتہ مل گیا ہے، اب دیر کیسی؟

سلمیٰ : تمہاری امی اس رشتہ کو جو اچانک دیکھے بھالے بغیر طے کر لیا گیا ہے............ اچھا کہتی ہیں تو اچھا ہی ہو گا۔

ریحانہ : کیا مطلب ہے تمہارا......؟

سلمیٰ : تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ ہم ان لوگوں کو بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔

ریحانہ : اچھا......وہ کیسے؟

سلمٰی : ہم پہلے جس محلے میں رہتے تھے۔ وہاں یہ ہمارے پڑوسی تھے۔ ان کے گھر آنا جانا تھا ہمارا۔

ریحانہ : اچھا! پھر تو تم مجھے عاصم اور اس کے گھر والوں کے بارے میں تفصیل سے بتا سکتی ہو۔

سلمٰی : نا بابا! اگر کل کو یہ بات نکل آئی کہ میں نے ان لوگوں کی ایک ایک عادت اور مزاج کے بارے میں تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا تو میری شامت آ جائے گی۔

ریحانہ : نہیں سلمٰی، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ تم یقین کرو کہ میں عاصم اور اس کے گھر والوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ میں بہت گھبرائی ہوئی ہوں۔ نجانے وہ کیسے ہوں۔ پلیز بتاؤ نا!

سلمٰی : اگر تمہارے ساتھ میری پرانی دوستی نہ ہوتی تو میں ضرور تمہیں اندھیرے میں رکھتی اور تم اپنا آپ خود بھگتتیں۔

ریحانہ : سلمٰی! مجھے بے حد تجسس ہو رہا ہے۔ مجھے بتاؤ جن سے میری شادی ہو رہی ہے وہ کیسے ہیں؟

سلمٰی : عاصم صاحب! اتنے بُرے بھی نہیں ہیں۔ بس ذرا عاشق مزاج ہیں۔ یقین نہ آئے تو ان کی ڈائری دیکھ لینا غزلوں، گیتوں سے بھری ہوئی ہے۔

ریحانہ : اچھا......! تم نے کیسے دیکھی؟

سلمٰی : اس کی بہن نے مجھے پڑھوائی۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس کا بھائی اعلیٰ پائے کا شاعر

ہے۔ بیچاری کا کیا قصور، خود بھی تو جاہل ہے۔

ریحانہ : تم نسرین کی بات کر رہی ہو۔ اس نے تو بی اے کیا ہوا ہے۔

سلمٰی : بھئی جس کو کوئی عقل تمیز نہ ہو...... چاہے وہ ڈگریاں بھی لے لے اُسے جاہل ہی کہتے ہیں۔

ریحانہ : عقل تمیز......؟

سلمٰی : ہاں ہاں...... اُسے تو یہ بھی پتا نہیں کسی سے کیسے بات کرتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر دوسروں کی بے عزتی کر دیتی ہے۔

ریحانہ : اچھا......! واقعی؟

سلمٰی : وہ سمجھتی ہے کہ دوسرے اس سے کمتر ہیں۔ اپنے کام بھی دوسروں سے رعب ڈال کر کرواتی ہے۔

ریحانہ : اوہ......تو کیا اُسے اس کے ماں باپ کچھ نہیں سمجھاتے؟

سلمٰی : ماں باپ سمجھدار ہوں تو بچوں کی اچھی تربیت کریں۔

ریحانہ : کیا مطلب ہے تمہارا......؟

سلمٰی : تم برا نہ منانا............ تمہارے سسرال میں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ والدہ صاحبہ بیماری کا بہانہ بنا کر سارا دن پلنگ پر پڑی رہتی ہیں۔ چڑ چڑا مزاج ہے ان کا۔ چاہتی ہیں ہر کوئی ان کی خدمت پر کمر بستہ رہے۔

ریحانہ : والد صاحب ان کا با قاعدہ علاج نہیں کراتے؟

سلمیٰ : علاج پر پیسہ لگتا ہے...... لیکن وہ تو سخت کنجوس ہیں۔ ایک ایک پیسہ باندھ کر رکھتے ہیں۔ نجانے اس بیٹے کی شادی پر پیسہ کھولتے ہیں یا نہیں۔ بڑے بیٹے کی شادی پر تو مہندی کا فنکشن ہوا نہ مایوں کا اور نہ ہی بَری ڈھنگ کی دی۔ پھر بھی بیچاری بہوان کے ساتھ گزارا کر رہی ہے۔

ریحانہ : تو کیا بڑی بہوان کے ساتھ رہتی ہے؟

سلمیٰ : ہاں اوپر کی منزل میں وہ رہتی ہے۔ ویسے تو اچھی ہے لیکن چوری کی عادت ہے۔ اس سے اپنی چیزیں بچا کر رکھنا۔

ریحانہ : چوری.........؟ تمہیں کیسے پتا چلا؟

سلمیٰ : ایک بار میں شاپنگ کر کے واپسی پر ان کے گھر گئی۔ نسرین کہنے لگی: شاپنگ دکھاؤ۔ میں نے دکھادی۔ ساتھ ہی بھابی ثوبیہ بیٹھی تھی۔ چپکے سے میرا نیا خریدا دوپٹا کھسکا لیا۔ جب میں نے گھر آ کر سامان چیک کیا تو دوپٹا نہیں تھا۔

ریحانہ : کیا تم نے ان کے گھر میں دوپٹا کھول کر دکھایا تھا۔؟

سلمیٰ : دکھانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ اس نے وہ شاپر ہی چھپالیا جس میں دوپٹا تھا۔

ریحانہ : ہوسکتا ہے تم دکان پر بھول آئی ہو۔

سلمیٰ : نہیں، مجھے یاد ہے میں نے دکان سے اُٹھالیا تھا۔

ریحانہ : تو تم نے ان لوگوں سے بات کی؟

سلمیٰ : ارے نہیں! مجھے ثوبیہ پر ترس آ گیا، میں بات کرتی تو اس کا میاں یعنی قاسم

بھائی اُسے میکے بھجوا دیتے۔ غصے کے بڑے تیز ہیں۔ آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ جھٹ سے کوئی سخت فیصلہ کر لیتے ہیں۔

ریحانہ : سلمٰی، میں تو سخت پریشان ہو رہی ہوں۔ میرا ان سے گزارا کیسے ہوگا؟

سلمٰی : بس میں نے تمہیں خبردار کر دیا ہے۔ خیال رکھنا پہلے دن سے جیسا برتاؤ رکھو گی ویسا ساری زندگی رہے گا۔ اگر شروع ہی میں تم ان سے دب گئی تو وہ زندگی بھر دباتے رہیں گے۔

ریحانہ : نجانے میں ایسا کر سکوں گی یا نہیں؟

سلمٰی : دیکھو! تم جاتے ہی انہیں احساس دلا دینا کہ تم ان سے برتر ہو۔ تمہارا گھرانہ ان سے زیادہ امیر ہے۔ تم اپنے ہونے والے میاں سے زیادہ خوبصورت ہو۔ بس رعب سے رہنا۔

ریحانہ : رعب، کس طرح سے؟

سلمٰی : یہ سوچنا تمہارا کام ہے، تمہاری امی جان آ رہی ہیں۔ اب یہ موضوع ختم۔

سلمٰی : السلام علیکم!

آسیہ : وعلیکم السلام! جیتی رہو بیٹی، تم کب آئیں؟

سلمٰی : مجھے کافی دیر ہو گئی ہے۔ اب تو میں جانے والی ہوں۔

آسیہ : میں ذرا ریحانہ کی چیزیں خریدنے بازار گئی تھی۔ ریحانہ نے تمہیں چائے پلائی؟

سلمٰی : خالہ جان! چائے پینے پھر آؤں گی۔ اب مجھے جلدی ہے۔ اچھا ریحانہ اب

مجھے اجازت دو۔

ریحانہ : لیکن اس شرط پر کہ دوبارہ جلدی آؤ گی۔

سلمٰی : ہاں، جلدی آؤں گی بلکہ شادی کے انتظامات میں خالہ جان کی مدد بھی کروں گی۔ اب میں چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔

ریحانہ اور آسیہ: اللہ حافظ

(قدموں کی آواز، پھر شاپنگ بیگ سے کچھ نکالنے اور ڈبیا کھولنے کی آواز)

آسیہ : ریحانہ بیٹی: یہ دیکھو! تمہارے لیے جیولری سیٹ لائی ہوں۔ دیکھو نا بیٹی کیسا ہے! جیولری بکس اپنے ہاتھ میں پکڑ لو۔ نہیں پکڑ نا؟ کیوں؟ پسند نہیں آیا؟

ریحانہ : ٹھیک ہے امی۔

آسیہ : تم خود میرے ساتھ جیولر کے پاس گئی تھیں اور تم نے ہی یہ ڈیزائن پسند کیا تھا۔ اب یہ سیٹ بن کر آ گیا ہے تو تم دیکھ ہی نہیں رہی۔ بتاؤ اچھا لگ رہا ہے نا!

ریحانہ : سیٹ تو اچھا ہے امی ...... لیکن۔

آسیہ : لیکن کیا؟

ریحانہ : شاید میری قسمت اچھی نہیں ہے۔

آسیہ : اللہ نہ کرے بیٹی، یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟

ریحانہ : آپ نے یہ سب کچھ اتنی جلدی طے کر دیا کہ..............۔

آسیہ : اتنا اچھا رشتہ قسمت والوں ہی کو ملتا ہے۔ میں اور تمہارے ابو کئی بار ان سے مل چکے ہیں، مجھے وہ لوگ ہر لحاظ سے شریف اور نیک لگے ہیں۔ تم ان کے

ساتھ خوش رہوگی۔

ریحانہ : ہر ماں باپ بیٹی کی شادی سے پہلے یہی سمجھتے ہیں۔

آسیہ : کل تک تو تم بالکل ٹھیک تھیں۔ ہنسی خوشی اپنے لیے خریداری کر رہی تھیں۔ یہ اچانک کیا ہوا ہے؟

ریحانہ : بس امی' ابھی تو کچھ نہیں ہوا۔ لیکن لگتا ہے نجانے کیا ہونے والا ہے۔ میں بہت اداس ہوں امی!

آسیہ : اچھا' میں سمجھ گئی، تم اپنا گھر اور ماں باپ کو چھوڑتے ہوئے اداس ہو رہی ہو۔ شادی سے پہلے ہر لڑکی کے دل کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ریحانہ : پتا نہیں امّی ۔ پتا نہیں۔

آسیہ : میں تمہیں شربت بنا کر دیتی ہوں۔ تمہارا دل گھبرا رہا ہے۔ تم شربت پی کر آرام کروگی تو سکون مل جائے گا۔ چلو شاباش! میری بیٹی! لیٹ جاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔
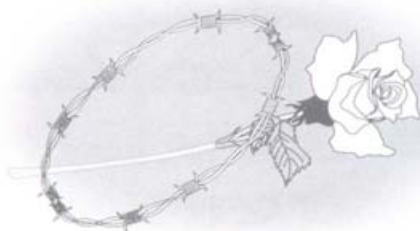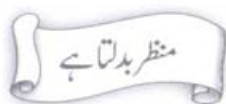
(باتیں کرنے کی آوازیں)

ریحانہ : ابوؔ آپ نے ڈرائنگ روم میں جن مہمانوں کو بٹھایا ہے وہ کون ہیں؟

داؤد : بیٹی، عاصم کے والدین ہیں۔ تمہاری امی کتنی دیر میں آئیں گی؟

ریحانہ : انہیں خریداری میں کچھ وقت تو لگے گا ہی۔

داؤد : اچھا! تو پھر تم ایسا کرو۔ اچھی سی چائے بنا لو، ساتھ سموسے بنا لینا اور شامی کباب تو تمہاری امی نے فریزر میں رکھے ہوئے ہیں وہ بھی تل لو۔

ریحانہ : جی اچھا۔

داؤد : بیٹی ذرا جلدی کرنا۔ وہ کم وقت کے لیے آئے ہیں۔ میں ان کے پاس چلتا ہوں۔

(قدموں کی آواز)

داوٗد : معاف کرنا بہن جی' ریحانہ کی والدہ گھر پر نہیں ہیں۔

راضیہ : کوئی بات نہیں بھائی صاحب' ہمیں بھی اطلاع کر کے آنا چاہیے تھا لیکن فون خراب تھا۔

داوٗد : شاید وہ جلد گھر لوٹ آئیں۔ دراصل وہ ریحانہ کے لیے فرنیچر پسند کرنے گئی ہیں۔

طاہر : بھائی' ہم بھی جلدی میں اسی لیے آ گئے ہیں کہ کچھ ایسے ہی ضروری معاملات طے کرنے تھے۔

داوٗد : جی فرمائیے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

طاہر : آپ بھابی صاحبہ کو منع کر دیں کہ وہ فرنیچر کا آرڈر نہ دیں۔

داوٗد : جی کیا مطلب، کیا فرنیچر آپ خود پسند کریں گے؟

طاہر : نہیں بھائی صاحب' ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنی پسند کا جہیز مانگتے ہیں۔ ہم تو آپ کو منع کرنے آئے ہیں کہ آپ لمبے چوڑے جہیز کا تکلف

مت کیجئے گا!

راضیہ : عاصم نے خود اپنے کمرے کا فرنیچر خرید کر رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ میری ذمہ داری ہے۔

داؤد : میں اَب بھی کچھ نہیں سمجھا۔ کچھ لڑکے جہیز کی بجائے بیوی کے والدین سے پیسہ لینا پسند کرتے ہیں تا کہ اسے اپنے کاروبار میں لگا سکیں۔ کیا عاصم بھی......؟

طاہر : نہیں، اللہ نہ کرے میرا بیٹا کبھی ایسی غلط سوچ رکھتا ہو۔ داؤد بھائی، ہم مسلمان ہیں۔ آپ بتائیے رسول اکرم ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کتنا جہیز دیا؟

داؤد : جہیز نہیں دیا، محض چند تحفے۔ چکی مشکیزہ اور گدا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

طاہر : ہم جو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے کا دعویٰ کرنے والی قوم ہیں۔ کیا ہمیں مناسب لگتا ہے کہ ہم ہندوانہ رسومات کی پیروی کرتے ہوئے جہیز کا کاروبار کریں۔

داؤد : طاہر بھائی، یقین کریں یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی۔ لیکن میں نے سوچا کہ بیٹی کا باپ ہوں اور مجھے وہی کچھ کرنا پڑے گا جو بیٹی والے کرتے ہیں۔

راضیہ : بیٹیاں اللہ کی رحمت ہوتی ہیں بھائی صاحب، انہیں بوجھ تو وہ لوگ سمجھتے ہیں جو اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

داؤد : میں جانتا ہوں بہن جی۔ ہمارے رسول ﷺ بیٹیوں سے کتنا پیار کرتے تھے' انہیں کس قدر عزت واحترام دیتے تھے۔

راضیہ : تو پھر جو والدین اپنی پیاری بیٹی' اپنا جگر گوشہ دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں ان سے جہیز کیا لینا۔

داؤد : آپ درست کہتی ہیں بہن جی' لیکن مجھے اپنی بیٹی کو ضرورت کی چیزیں تو دینی پڑیں گی۔

راضیہ : اس کی ضروریات پوری کرنا ہمارے بیٹے کی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنے وسائل میں سے اپنی بساط کے مطابق چیزیں اُسے لے کر دے گا۔

داؤد : آج کے دور میں آپ جیسے نیک اور مہربان لوگ مجھے مل جائیں گے' میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا' میں نے جہیز کے لیے دفتر سے جو قرض لے رکھا ہے وہ میں کل واپس کر دوں گا۔ آپ نے میرے سر سے بوجھ اُتار دیا۔ آپ کا بہت شکریہ۔

طاہر : بھائی صاحب' شکریہ کی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارا آپ پر احسان نہیں ہے ہمارا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ بلکہ آپ کا شکریہ کہ آپ نے ہماری بات مان لی اور ایک غیر اسلامی رسم چھوڑنے کا موقع دیا۔

راضیہ : ہم کچھ اور ہندوانہ رسومات سے بھی منع کرنے آئے ہیں۔

داؤد : آپ فرمائیے بہن جی' میں خود بھی کوئی ایسی رسم نہیں کرنا چاہتا جس سے اللہ

اور رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو۔

راضیہ : شادی سادگی سے ہوگی۔ مہندی مایوں کا شور شرابا' بے کار ہنگامہ اور فضول خرچی نہیں ہوگی۔

داؤد : یہ بہت اچھی بات ہے۔ لیکن میرا خیال ہے یہ بات ریحانہ کی امی کی موجودگی میں ہوتی تو بہتر تھا۔

طاہر : جی اچھا' یہ بات آپ بھابی صاحبہ سے پوچھ کر ہمیں بتا دیں اور یہ بھی فرما دیں کہ حق مہر کتنا لکھنا ہوگا؟ بری کے زیورات اور کپڑے کتنے ہوں گے؟

داؤد : حق مہر اور بری آپ کا بیٹا اپنی حیثیت کے مطابق دے گا۔ اپنے وسائل کے اندر رہ کر سہولت سے وہ جتنا بھی دے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اسلام میں حیثیت سے زیادہ حق مہر اور بری کا کوئی تصور نہیں ہے۔

طاہر : شکریہ' ہمیں آپ سے یہی امید تھی۔

داؤد : آجاؤ ریحانہ بیٹی' چائے اندر لے آؤ۔

ریحانہ : السلام علیکم!

طاہر+راضیہ: وعلیکم السلام' جیتی رہو بیٹی!

راضیہ : اللہ تمہیں خوش رکھے' تم نے تکلف کیا ہے۔

داؤد : بیٹی! انہیں چیزیں پیش کرو۔

(برتنوں کی آوازیں)

آسیہ : حد ہوگئی ریحانہ کے ابو! آپ نے میری غیر موجودگی میں اتنے اہم فیصلے کر لئے۔

داؤد : یہ اتنے اچھے فیصلے ہیں کہ آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

آسیہ : مجھے اعتراض نہیں ہوگا تو دنیا انگلیاں اُٹھائے گی۔ ہم لوگوں کے طنز و مذاق کا نشانہ بن جائیں گے۔ ان کی نظر میں ہماری حیثیت کم تر ہو جائے گی۔ لوگ کیا کہیں گے، بیٹی کو ڈھنگ کا جہیز بھی نہ دے سکے۔

داؤد : ہمیں لوگوں کی باتوں کی کوئی پروا نہیں، ہم نے تو اپنی سہولت اور آسانی دیکھنی ہے۔ اسلام نے ہمارے لیے زندگی میں بہت آسانیاں رکھی ہیں، مشکلات تو ہم نے خود کھڑی کر لی ہیں۔

آسیہ : میرے دل میں کتنی چاہت، کتنی تمنا تھی کہ بیٹی کو ہر چیز دوں گی۔ نجانے کیا کیا سوچا تھا میں نے...... لیکن لگتا ہے آپ کو تو بیٹی سے پیار ہی نہیں۔

داؤد : پیار ہے، اسی لیے تو نیک لوگوں میں رشتہ کر رہا ہوں تمہاری چاہت اور تمنا بھی یہی ہونی چاہیے کہ تم اپنی بیٹی کو شاد آباد دیکھو، اُسے اچھی بات سمجھاؤ۔

آسیہ : آپ جنہیں شریف لوگ سمجھ رہے ہیں انہوں نے کتنی چالاکی سے بھاری حق مہر اور بری سے جان چھڑالی۔ نہ کچھ لیں گے اور نہ دینا پڑے گا۔

داؤد : بیگم! تم اچھی طرح جانتی ہو، رسول اللہ ﷺ جب اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کرنے لگے تو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ کے پاس کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! وہ حطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے تجھے فلاں دن دی تھی؟ انہوں نے کہا: وہ میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا تو اسے ہی حق مہر میں دے دو۔

آسیہ : جی ہاں۔

داؤد : آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ تم رسول اللہ کی بیٹی سے نکاح کرنے لگے ہو جو جنت میں عورتوں کی سردار ہے۔ اس لیے جاؤ کہیں سے قرض مانگو۔ اُسے بھاری حق مہر اور زیورات مہیا کرو۔ ان کے سامنے ہماری یا ہماری بیٹی کی حیثیت اور وقعت ہی کیا ہے جو ہم کوئی مطالبہ کریں۔

آسیہ : آپ کی یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن مہندی اور مایوں کی رسم ضرور ہو گی۔

داؤد : یہ رسومات کر کے ہم اخراجات کا بوجھ تو اُٹھاتے ہی ہیں۔ گناہوں کی گٹھڑی بھی اپنے سر پر لاد لیتے ہیں۔ مہندی مایوں کے بہانے معصوم بچیوں کا ناچ گانا کسی صورت جائز نہیں۔

آسیہ : میں تو بچیوں کی خوشی دیکھ رہی تھی۔

داؤد : اس کی بجائے بچیوں کے حق میں اللہ سے دعا مانگو کہ اللہ انہیں زندگی کی سچی

خوشیاں دے۔ ہماری بیٹی ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے والی ہے۔ اس زندگی کا استقبال ناچ گانے سے نہیں' دعاؤں سے کرو۔

آسیہ : آپ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔

داؤد : ہاں' میں نے تمہیں یہ بھی بتانا ہے کہ میرے دفتر والے مجھے کچھ عرصہ کے لیے کام پر کراچی بھیج رہے ہیں۔ میں شادی کے فوراً بعد چلا جاؤں گا' تم ہر چیز کا خیال رکھنا۔

آسیہ : جی اچھا۔

عاصم : میں بہت خوش قسمت ہوں ریحانہ، مجھے تم جیسی پڑھی لکھی اور سمجھدار بیوی ملی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہیں زندگی کی ہر خوشی دے سکوں۔ تمہیں میرے گھر والے کیسے لگے ہیں؟

ریحانہ : ابھی تو وہ میرا بہت خیال رکھ رہے ہیں۔

عاصم : وہ ہمیشہ تمہیں اسی طرح محبت دیں گے۔ مجھے اُمید ہے تم بھی ان کی عزت و احترام میں کوئی کمی نہیں آنے دو گی۔ تمہیں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا۔

ریحانہ : فی الحال تو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میں بس اپنی امی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میں ان سے ملنے کے لیے اداس ہوں۔

عاصم : تم شام کو تیار رہنا۔ میں دفتر سے آؤں گا تو تمہیں امی کے گھر لے جاؤں گا۔

ریحانہ : جی اچھا۔

نسرین: بھائی جان' میں آ جاؤں؟

عاصم : ہاں نسرین' آ جاؤ!

نسرین : بھابی' امی پوچھ رہی ہیں، آپ دوپہر کے کھانے میں کیا کھانا پسند کریں گی؟

ریحانہ : جو آپ کھائیں گے وہی کھالوں گی۔

نسرین : نہیں بھابی' آپ فرمائش کریں۔ آج ہم آپ کی پسند کا کھانا بنائیں گے۔

ریحانہ : اچھا! یہ بات ہے تو پھر بریانی پکالیں۔

نسرین : بریانی تو میں مزیدار بناتی ہوں' اپنی بھابی کو میں خود بریانی بنا کر کھلاؤں گی۔
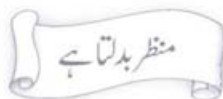
(قدموں کی آواز)

عاصم : آیئے بھابی......آپ دروازے میں کیوں ٹھہر گئیں؟

ثوبیہ : تم لوگوں کو ڈسٹرب تو کر رہی ہوں' لیکن یہ بتانے آئی تھی کہ میں نے کل شام کپڑوں کی مشین لگائی تھی اور آپ دونوں کے کپڑے بھی دھو دیئے ہیں یہ لے لیں۔

عاصم : بہت شکریہ! آپ ہماری بڑی بھابی ہیں۔ یہ تکلیف نہ کیا کریں۔

ثوبیہ : تکلیف کیسی؟ ریحانہ نئی دلہن ہے۔ میں نے اس کے کپڑے دھو دیئے تو کیا ہوا!

ریحانہ : شکریہ بھابی! آئیں آپ بیٹھیں نا!

عاصم : آیئے ابو جان!

طاہر : آہا بھئی' سب یہاں اکٹھے ہیں۔ ماشاء اللہ سب خوش لگ رہے ہیں۔ اللہ آپ کو اسی طرح خوش رکھے۔

ریحانہ : آپ بیٹھیں نا ابا جان!

طاہر : نہیں بیٹی' میں بازار جا رہا ہوں۔ یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تم نے کچھ منگوانا تو نہیں۔

ریحانہ : نہیں ابا جان، شکریہ۔

طاہر : میں جانتا ہوں تمہیں آم بہت پسند ہیں۔ کل تم بڑے شوق سے کھا رہی تھیں۔ میں تمہارے لیے آم لیتا آؤں گا۔

ریحانہ : شکریہ۔

عاصم : میرا خیال ہے اب مجھے بھی دفتر چلنا چاہیے۔ دیر ہو رہی ہے۔ ریحانہ! تم شام کو تیار رہنا۔ تمہیں امی کے گھر جانا ہے۔

ریحانہ : ابو جان! اگر آپ اور امی جان اجازت دیں تو میں ایک دن کے لیے اپنی امی کے گھر رہ لوں۔

طاہر : کیوں نہیں بیٹی، عاصم! اسے اس کی امی کے گھر ضرور رہنے دینا۔

عاصم : جی اچھا ابو جان! اب میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ

منظر بدلتا ہے
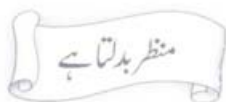
سلمیٰ : السلام علیکم!

آسیہ : وعلیکم السلام بیٹی!

ریحانہ : وعلیکم السلام، آؤ سلمیٰ، میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔

سلمیٰ : تم نے فون پر مجھے امی کے گھر آنے کی اطلاع دی تو میں فوراً چلی آئی۔

آسیہ : تمہاری امی کا کیا حال ہے بیٹی؟

سلمیٰ : وہ ٹھیک ہیں خالہ جان، آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔

آسیہ : انہیں بھی میرا سلام کہنا۔ تم اپنی سہیلی کے پاس بیٹھو۔ میں کھانا پکاتی ہوں۔
کھانا کھا کر جانا۔

سلمیٰ : اچھا خالہ جان! آج تو میں ریحانہ کے پاس کافی دیر بیٹھوں گی۔

(قدموں کی آواز)

سلمیٰ : خالہ جان چلی گئیں، تم سناؤ ریحانہ' کیا حال ہے؟

ریحانہ : اللہ کا شکر ہے میں ٹھیک ہوں۔

سلمیٰ : ذرا اپنے میاں اور سسرال کا حال تو سناؤ۔

ریحانہ : سلمیٰ تم نے ناحق ان کی اس قدر غلط تصویر کھینچی میرے سامنے' خوامخواہ مجھے ڈرا دیا۔ وہ تو بہت اچھے لوگ ہیں۔

سلمیٰ : (طنزاً) اچھا! تو کیا اچھائی ہے ان میں؟

ریحانہ : سب میرا خیال رکھتے ہیں۔ امی جان اور نسرین میری پسند کے کھانے بنا کر مجھے کھلاتی ہیں۔ ثوبیہ بھابی کپڑے دھو دیتی ہیں۔ چھوٹے موٹے کام کر دیتی ہیں۔

سلمیٰ : ارے یہ نئی نئی چاہت ہے۔ مصنوعی اور جھوٹی محبت ہے۔ کچھ دن رہو گی تو پھر پتا چلے گا۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔

ریحانہ : اچھا! کیا پتا چلے گا؟

سلمیٰ : تمہارے تو اس وقت ہوش ٹھکانے آئیں گے جب وہ تمہیں اپنے گھر کی

باورچن اور دھوبن بنالیں گے' بلکہ صفائی کرنے والی ملازمہ بھی تم ہی بنو گی۔
کب تک چونچلے اُٹھائیں گے تمہارے؟

ریحانہ : کاموں میں ان کی مدد کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟

سلمٰی : شروع شروع میں کام میں مدد کرنے کا کہیں گے پھر سارے گھر کا بوجھ تم ہی پر ڈال دیں گے۔

ریحانہ : تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سلمٰی : بس پہلا کام بتانے پر ہی تم انہیں سختی سے انکار کردو۔ وہ سمجھ جائیں گے کہ یہ اتنی بھولی نہیں جتنی ہم سمجھ رہے ہیں۔ پھر ان کی جرأت نہ ہوگی کچھ کہنے کی۔ میں نے پہلے بھی تمہیں کہا تھا زندگی کے آغاز ہی میں تم ان پر حاوی ہو جاؤ ورنہ وہ تمہیں دبالیں گے۔

ریحانہ : ان باتوں سے کہیں عاصم کے دل میں فرق نہ آ جائے۔ وہ مجھے بہت چاہتے ہیں۔

سلمٰی : ارے ان کی چاہت تو ہم نے شادی پر ہی دیکھ لی تھی۔ ذرا سی بھی چاہت ہوتی تو ڈھنگ کی بری لاتے۔ عروسی لباس زیادہ قیمتی تھا اور نہ زیور بھاری۔ اتنا ہلکا زیور کسی اور کی بیٹی کے لیے لاتے تو وہ ان کے منہ پر مارتے۔ سارے لوگ باتیں بنا رہے تھے۔

ریحانہ : انہوں نے ہم سے جہیز بھی تو نہیں لیا۔

سلمیٰ : اس لیے کہ کچھ دینا نہ پڑے۔ میں نے کہا تھا نا کہ وہ اول درجہ کے کنجوس ہیں! خود بھی تنگ دستی کی زندگی گزارتے ہیں اور تمہیں بھی ایک ایک چیز کے لیے ترسائیں گے۔

ریحانہ : عاصم کہتے ہیں وہ مجھے ضرورت کی ہر چیز لے دیں گے۔

سلمیٰ : یہ زبانی کلامی وعدے ہیں۔ کسی بڑی چیز کی فرمائش کرو۔ وہ پوری کر دیں تو میں مانوں۔ بس خالی وعدے کرنے کے ماہر ہیں۔

ریحانہ : وعدے کرنے کے ماہر؟ تمہیں کیسے پتا ہے؟

سلمیٰ : سنا ہے اپنی ایک کزن سے وعدے کئے تھے لیکن شادی تم سے رچالی۔ بیچاری روتی پھرتی ہے۔

ریحانہ : اچھا! کیا نام ہے اس کا؟

سلمیٰ : اس کا نام روبی ہے۔ بچپن سے چاہتی تھی تمہارے میاں کو۔ بس قسمت نہ تھی کہ اس سے شادی ہوتی۔ بلکہ میں تو کہوں گی خوش قسمت تھی بچ گئی۔

ریحانہ : تمہاری باتیں سن کر تو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔

سلمیٰ : اچھا! تو چلو چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔
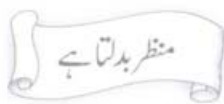
نسرین : بھابی!

ریحانہ : کیا بات ہے؟

نسرین : ڈرائنگ روم میں میری سہیلیاں آئی ہیں۔ ذرا چائے تو بنا دیں۔

ریحانہ : ثوبیہ بھابی سے کہہ دو۔

نسرین : وہ سو رہی ہیں۔ امی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ آپ بنا دیں نا!

ریحانہ : تم خود کیوں نہیں بنا لیتیں؟

نسرین : میری سہیلیاں کہتی ہیں تم ہمارے پاس بیٹھو۔ ہم تمہاری بھابی کے ہاتھ کی بنی چائے پئیں گے۔

ریحانہ : اپنی سہیلیوں کو جا کر بتا دو وہ ہماری بھابی ہے ملازمہ نہیں کہ چائے بنا کر ان کے آگے رکھے۔

نسرین : ان کے آگے رکھنے کا کون کہہ رہا ہے۔ چائے لے کر تو میں خود جاؤں گی آپ صرف بنا دیں۔

ریحانہ : تم دیکھ نہیں رہیں کہ میں ناول پڑھ رہی ہوں۔ اتنا دلچسپ ناول میں درمیان میں نہیں چھوڑ سکتی۔ ویسے بھی مجھے کام کرنے کی عادت نہیں ہے۔

(قدموں کی آواز)

ریحانہ : چلی گئی، ہونہہ! آئی ہے مجھے ملازمہ بنانے، سمجھ کیا رکھا ہے انہوں نے مجھے!

(قدموں کی آواز)

ریحانہ : آج دفتر سے آپ جلدی آ گئے؟

عاصم : دفتر کا کام جلدی ختم ہو گیا تھا اس لیے گھر آ گیا۔ نسرین اس کمرے سے نکلی ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تم نے کچھ کہا اُسے؟

ریحانہ : میں نے کیا کہنا تھا۔ سہیلیاں آئی ہیں۔ انہوں نے کوئی مذاق کر دیا ہوگا۔

عاصم : وہ بڑی ہنس مکھ ہے۔ مذاق کا برا تو نہیں مناتی۔

ریحانہ : انہوں نے کہہ دیا ہوگا عاصم سے پہلے تمہاری شادی ہونی چاہیے تھی۔ ویسے کوئی رشتہ دیکھ کر شادی کر دیں اس کی۔

عاصم : اس بات کی فکر تو ہمیں بھی ہے۔ لیکن تم اتنی تلخی سے بات کیوں کر رہی ہو؟

ریحانہ : اس لیے کہ وہ مجھے اچھے کپڑے، زیور پہنتے، ہنستے بولتے اور آپ کے ساتھ سیر پر جاتے دیکھ کر حسد کرتی ہے۔

عاصم : تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ وہ تو تمہیں دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔

ریحانہ : اچھا تو پھر میں ہی غلط ہوں۔ میں ہی پاگل ہوں۔ دماغ خراب ہے نا میرا!

عاصم : ریحانہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ میرا خیال تھا کہ تھکا ہوا دفتر سے گھر جاؤں گا تو

سکون ملے گا۔ مگر تم عجیب ہی مسئلہ لے کر بیٹھ گئی ہو۔

ریحانہ : کبھی آپ نے میرے آرام، میرے سکون کا خیال رکھا۔ کبھی سوچا مجھے کیا چاہیے؟

عاصم : مجھے بتاؤ تو سہی تمہیں کیا چاہیے؟

ریحانہ : جب آپ مجھے اپنی پھٹ پھٹ کرتی موٹر سائیکل پر امی کے گھر لے کر جاتے ہیں تو مجھے اپنے ہمسایوں سے شرم آتی ہے۔ آپ گاڑی لے لیں ورنہ میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔

عاصم : فی الحال میرے حالات ایسے نہیں کہ گاڑی خریدوں۔ تمہیں میری موٹر سائیکل پر ہی بیٹھنا ہوگا۔

ریحانہ : حالات ایسے نہیں تھے تو جہیز سے منع کیوں کیا۔ یہ کیوں کہا کہ ضرورت کی ہر چیز ہم خود لے لیں گے۔

عاصم : میں نہیں سمجھتا ہمیں اس وقت گاڑی کی ضرورت ہے اور پھر کیا اگر ہم جہیز سے منع نہ کرتے تو تم گاڑی لاتیں؟

ریحانہ : ضرور لے کر آتی۔ میرے والد امیر آدمی ہیں اور دل کے بھی بڑے ہیں۔ آپ لوگوں کی طرح کم حیثیت اور کنجوس نہیں۔

عاصم : تم ہمیں کم حیثیت اور کنجوس کہہ رہی ہو۔ زبان سنبھال کر بات کرو۔

ریحانہ : بات آپ زیادہ بڑھا رہے ہیں۔

عاصم : اگر میں بات بڑھا رہا ہوتا تو یہ ضرور کہتا کہ جاؤ اپنے باپ سے گاڑی لے کر آؤ۔

ریحانہ : اب آپ کے دل کی بات زبان پر آئی ہے۔ آپ نے سوچا ہوگا کم حق مہر اور معمولی بری پر جب لڑکی ہمارے گھر آ کر پھنس جائے گی تو پھر اس طرح جہیز مانگیں گے۔

عاصم : میں نے کچھ نہیں مانگا ریحانہ! میں بہت برداشت کر چکا ہوں اب اپنا منہ بند کرو۔

(باہر سے طاہر کی آواز آتی ہے)

طاہر : عاصم...... عاصم۔

عاصم : جی ابو جان!

طاہر : یہ کیا شور مچا رکھا ہے تم نے، ہماری بہو کو پریشان مت کرو۔ باہر آ جاؤ۔

عاصم : آتا ہوں ابو جان۔

(قدموں کی آواز)
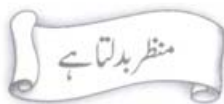
(واشنگ مشین چلنے کی آواز)

راضیہ : بڑی بہو! تم نے سر پر دوپٹا کیوں باندھا ہوا ہے۔ خیریت تو ہے؟

ثوبیہ : اماں جی' میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔

راضیہ : تو پھر اس حالت میں کپڑے کیوں دھو رہی ہو؟

ثوبیہ : کافی سارے میلے کپڑے جمع ہو گئے ہیں۔ پہننے کے لیے ایک بھی صاف کپڑا نہیں رہا' سوچا جیسے تیسے دھو ہی ڈالوں۔ کل قاسم بھی تو گھر آ رہے ہیں۔

(مشین کی آواز بند ہوتی ہے)

راضیہ : اللہ کرے تمہارے میاں کا تبادلہ اسی شہر میں ہو جائے! بیچارے کو ہر ہفتہ سفر کرنا پڑتا ہے۔ وہ کل تمہیں آ کر بیمار دیکھے گا تو پریشان ہوگا۔

ثوبیہ : لیکن اماں جی' کام تو کرنا ہی ہوتا ہے نا!

راضیہ : اب تمہاری دیورانی بھی تو گھر آ گئی ہے۔ دونوں مل کر کام کرو نا! ریحانہ......!

ریحانہ : جی امی جان!

راضیہ : تم اور ثوبیہ کام کی باری مقرر کر لو۔ ہفتہ میں ایک بار کپڑوں کی مشین تم لگا لیا

کرو، ایک بار تو یہ۔

ریحانہ : سوری امی جان! میں نے تو اپنی امی کے گھر کبھی کپڑے نہیں دھوئے۔ ہمارے گھر میں اس کام کے لیے ماسی آتی ہے۔

راضیہ : اس گھر میں ہم چار عورتیں ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ ہمیں ملازمہ کی ضرورت ہو۔

ریحانہ : ظاہر ہے جہاں بہو کو ملازمہ بنا کر رکھا جاتا ہو وہاں کسی ملازمہ کی کیا ضرورت ہے۔

راضیہ : بہویں گھر کی نوکرانیاں نہیں مالکن ہوتی ہیں۔ تم پڑھی لکھی ہو، سمجھدار ہو۔ تم جانتی نہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سارے گھر کا کام خود کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں پر گٹے پڑ جاتے تھے لیکن وہ اف تک نہیں کرتی تھیں۔
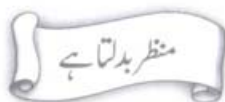
(قدموں کی آواز)

ثوبیہ : لیں، ریحانہ تو اپنے کمرے میں چلی گئی ہے۔

راضیہ : یہ کیسا انصاف ہے سب گھر کے کام کریں، یہ ملکہ بنی پلنگ پر بیٹھ کر کھائے۔ میں تو اس کی امی سے شکایت کروں گی۔

ثوبیہ : چھوڑیں امی جان! خوامخواہ بات بڑھ جائے گی، میں پہلے بھی کپڑے دھوتی تھی۔ اب بھی دھولوں گی۔

راضیہ : بیٹی، تمہارے سر میں درد ہے، تم جا کر آرام کرو۔ میں کپڑے دھو دیتی ہوں۔

ثوبیہ : امی جان، اب تو ہمیں آپ کی خدمت کرنی چاہیے۔

راضیہ : نہیں بیٹی، میری طبیعت اس وقت بالکل ٹھیک ہے۔ کچھ دیر بعد نسرین بھی گھر آ جائے گی، وہ میری مدد کر دے گی۔ شاباش تم جاؤ آرام کرو!

ثوبیہ : جی اچھا امی جی۔
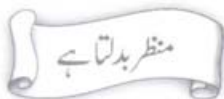
(ٹیلی فون ڈائل کرنے کی آواز)

سلمیٰ : ہیلو......!

ریحانہ : سلمیٰ، میں ریحانہ بول رہی ہوں، کیسی ہو؟

سلمیٰ : میں ٹھیک ہوں! تم سناؤ سسرال میں معاملات کیسے چل رہے ہیں؟

ریحانہ : جو بھی مجھے کوئی کام بتاتا ہے میں کھری کھری سنا دیتی ہوں لیکن سلمیٰ اگر عاصم نے مجھ پر کام کرنے کے لیے دباؤ ڈالا تو؟

سلمیٰ : تو کیا......! تم اس سے ڈرتی ہو؟

ریحانہ : وہ آخر میرا شوہر ہے۔

سلمیٰ : شوہر پرستی کا زمانہ اب گزر چکا، اور ویسے تو تم کہتی ہو کہ وہ تمہیں چاہتے ہیں۔

ریحانہ : ہاں، ایسا ہی ہے۔

سلمیٰ : تو پھر اس کی چاہت کو آزماؤ نا! زیادہ بات کرے تو کہہ دو مجھے الگ گھر لے دو۔ میں اتنے بڑے کنبے میں گزارا نہیں کر سکتی۔

(قدموں کی آواز)

ریحانہ : شاید کوئی آ رہا ہے۔ پھر فون کروں گی............ اللہ حافظ

(فون رکھنے کی آواز)
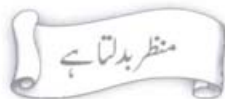
ریحانہ : السلام علیکم قاسم بھائی!

قاسم : وعلیکم السلام! کیا حال ہے بھابی۔

ریحانہ : شکر ہے اللہ کا ٹھیک ہوں' آپ بیٹھیں نا!

ثوبیہ : ریحانہ! قاسم تمہارے لیے تحفہ لائے ہیں۔

ریحانہ : اچھا! کیا چیز ہے؟

قاسم : میں نے ثوبیہ کے لیے سوٹ خریدا تو آپ کے لیے بھی خریدلیا' یہ دیکھیں۔

ثوبیہ : کیسا ہے؟ تمہیں پسند ہے نا؟

ریحانہ : قاسم بھائی' آپ یہ سوٹ بھی ثوبیہ کو دے دیں۔

قاسم : کیوں؟ پسند نہیں آیا۔ اس کا رنگ اچھا نہیں؟

ریحانہ : رنگ تو اچھا ہے لیکن کپڑا ہلکا ہے۔ میں اتنے کم قیمت کے کپڑے نہیں پہنتی۔

ثوبیہ : ریحانہ! قاسم تو بڑے خلوص سے تمہارے لیے یہ تحفہ لائے ہیں۔

ریحانہ : (طنزاً) اس گھر میں خلوص بہت زیادہ ہے۔ میں تو اتنے خلوص سے گھبرا گئی ہوں۔

قاسم : چلو ثوبیہ! اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔

(قدموں کی آواز)

عاصم : السلام علیکم بھائی جان! آپ بیٹھیں نا!

قاسم : نہیں عاصم' میں چلتا ہوں' تم تھکے ہوئے آئے ہو آرام کرو۔

عاصم : ریحانہ' کمرے کا کیا حال بنا رکھا ہے؟ ہر چیز پر اتنی گرد پڑی ہوئی ہے۔

ریحانہ : آج دوسرا دن ہے نسرین نے میرے کمرے کی صفائی نہیں کی۔ آج بھی صبح سویرے وہ سہیلی کے گھر چلی گئی تھی۔

عاصم : یہ نسرین کا کمرا نہیں ہے ریحانہ' تمہارا ہے' اور تم نے ہی اس کی صفائی کرنی ہے۔

ریحانہ : میں آپ سے بار بار کہہ چکی ہوں کہ میں یہ کام نہیں کر سکتی۔

عاصم : ہر عورت کو اپنے گھر کا کام کرنا پڑتا ہے اور تمہیں بھی کرنا پڑے گا۔

ریحانہ : یہ گھر میرا اپنا ہے ہی کب' یہ تو آپ کے ابا جان اور امی جان کا گھر ہے۔ جہاں بہوؤں پر ان کا حکم چلتا ہے اور جہاں ہر کوئی اپنی بولی بولتا ہے۔ جب آپ مجھے میرا گھر لے کر دیں گے تو میں کام بھی کر لوں گی۔

عاصم: یہاں ہم سب گہرے رشتے میں پروئے ہوئے ہیں اور ہمیں مل کر ایک کنبے کی صورت میں رہنا ہے۔ تم یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو کہ میں تمہیں الگ

گھر لے کر دوں گا۔

ریحانہ : آپ بھی بھول جائیں کہ میں یہاں سب کی حکمرانی اور نگرانی میں رہوں گی۔

عاصم : تم جو کچھ کر رہی ہو یہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہوگا۔

ریحانہ : میرے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں، میں اچھی طرح جانتی ہوں۔

راضیہ : (دور سے) ریحانہ! روبی آئی ہے۔ روبی تم اس کے کمرے میں چلی جاؤ۔
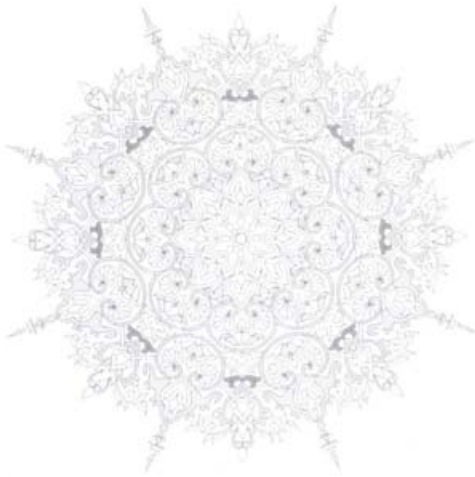
(قدموں کی آواز)

روبی : السلام علیکم!

ریحانہ : (طنزاً) آیئے تشریف لایئے! تو آپ ہیں مس روبی۔

روبی : (گھبرا کر) جی، جی ہاں! میں ہی روبی ہوں۔ آپ مجھے جانتی ہیں؟

ریحانہ : جی ہاں! آپ عاصم کی کزن ہیں، اس گھر میں ایک دوسرا رشتہ بھی قائم کرنا چاہتی تھیں لیکن افسوس!

روبی : یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟

ریحانہ : سچ سننے کا حوصلہ نہیں ہے نا آپ میں!

روبی : عاصم بھائی، آپ اپنی بیوی کو مہمانوں سے بات کرنے کی تمیز سکھایئے، ورنہ کوئی رشتے دار آپ کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا۔ اور میں ہمیشہ کے لیے یہاں سے جا رہی ہوں۔

(قدموں کی آواز)

عاصم : ریحانہ، تم اپنے ہوش میں تو ہو، کس قدر بدتمیزی سے بات کی ہے تم نے۔

ریحانہ : آپ کو افسوس ہوا ہے نا کہ وہ آپ کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی۔ اتنا

ہی دکھ ہوا ہے تو کر لیتے نا اس سے شادی!

عاصم : تم خوامخواہ بدگمانی کر رہی ہو' میں نے اُسے ہمیشہ اپنی بہن سمجھا ہے۔

ریحانہ : وہ جو آپ نے اس سے شادی کے وعدے کیے تھے؟

عاصم : تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔ تمہارا رویہ نا قابل برداشت ہو چکا ہے۔ اب میں ایک پل بھی تمہارا یہاں رہنا گوارا نہیں کر سکتا' چلو میں تمہیں تمہاری امی کے گھر چھوڑ آؤں!

ریحانہ : آپ تو اسی موقع کے انتظار میں تھے' کب کوئی بات ہو اور آپ مجھے گھر سے نکالیں۔ آپ مجھے نکال کر روبی کو لانا چاہتے ہیں تو شوق سے لے آئیں' میں بھی اب یہاں نہیں رہ سکتی۔

(قدموں کی آواز)

طاہر : بیٹا' کیا بات ہے' تم لوگ کس بات پر جھگڑ رہے ہو؟

ریحانہ : ابا جان' یہ مجھے گھر سے نکالنا چاہتے ہیں۔

طاہر : عاصم بیٹا' تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم کیوں اتنا بڑا قدم اُٹھانے لگے ہو؟

عاصم : ابا جان' اس نے میرا آرام وسکون برباد کر دیا ہے اور اب جو باتیں مجھ سے کر رہی ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

طاہر : بیٹا' اگر تم دونوں میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو یہ اس کا حل نہیں ہے۔ تمہیں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنا ہوگا اور اچھے طریقے سے غلط فہمی دور کرنا

ہو گی۔

ریحانہ : ابا جان، میں بہت پریشان ہوں۔

طاہر : تمہیں حوصلے سے کام لینا ہو گا۔ شروع شروع میں لڑکیوں کو اپنے سسرال کے نئے ماحول میں خود کو ڈھالنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ لیکن تم اچھے خاندان کی پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھ لو گی۔ چلو آؤ، باہر صحن میں ہم سب کے ساتھ مل کر بیٹھو!
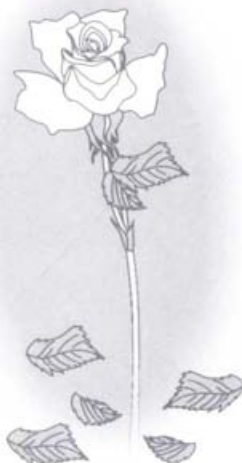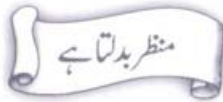
(ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز)

ریحانہ : ہیلو!

آسیہ : کیسی ہو بیٹی۔

ریحانہ : (اداسی سے) بس ٹھیک ہی ہوں امی۔

آسیہ : لیکن تم ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ اور پھر تم کئی دنوں سے میرے پاس بھی نہیں آئیں۔

ریحانہ : امی، عاصم کا رویہ میرے ساتھ بہت خراب ہو چکا ہے۔ سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ آپ کے پاس کیسے لائیں گے؟

آسیہ : کیوں خیر تو ہے؟

ریحانہ : بس کچھ نہ پوچھیں امی، میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی ہے۔ عاصم شادی سے پہلے اپنی کزن روبی کو پسند کرتے تھے۔ ماں باپ نے مجھ سے رشتہ کر دیا، مگر وہ دل سے نہیں نکلی۔

آسیہ : تمہیں کیسے پتا ہے؟

ریحانہ : وہ گھر آئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد عاصم نے مجھ سے بولنا چھوڑ دیا ہے۔

گم صم سے رہتے ہیں۔

آسیہ : تم اس سے بات کرتی ہو؟

ریحانہ : کوئی بھی بات کروں' وہ جھگڑا کرتے ہیں اور طوفان کھڑا کر دیتے ہیں۔

آسیہ : باقی گھر والوں کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟

ریحانہ : وہ لوگ یہ چاہتے ہیں میں ان کا ہر حکم مانوں۔ عجیب ہی ماحول ہے اس گھر کا' میں تو گھبرا گئی ہوں۔

آسیہ : اچھا زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' میں خود آؤں گی تمہیں ملنے۔

ریحانہ : امی' آپ جلدی آیئے گا۔

آسیہ : ٹھیک ہے' اچھا اللہ حافظ۔

ریحانہ : اللہ حافظ۔

(چیزیں اِدھر اُدھر رکھنے اور درازیں کھولنے کی آوازیں)

ریحانہ : (خود کلامی کرتے ہوئے) صبح تو ادھر رکھی تھی' اب کہاں گئی میری انگوٹھی؟ نہ تو گھر میں کوئی ملازمہ آتی ہے جس پر شک ہو اور نہ ہی باہر سے کوئی مہمان آیا' پھر میری انگوٹھی کہاں گئی؟ ہاں یاد آیا' کچھ دیر پہلے یہاں ثوبیہ بھابی آئی تھیں۔ان کے بارے میں سلمٰی نے کہا تھا:

ویسے تو وہ اچھی ہے لیکن چوری کی عادت ہے۔اس سے اپنی چیزیں بچا کر رکھنا۔

ریحانہ : (خود کلامی) ہونہہ! وہ کیا سمجھتی ہے کہ چپکے سے میری انگوٹھی کھسکا لے گی اور میں چپ رہوں گی۔

(آوازیں دیتے ہوئے)

ریحانہ : ثوبیہ بھابی......ثوبیہ بھابی...... بھابی سنتی ہیں۔

(جلدی جلدی چلتے ہوئے قدموں کی آواز)

ثوبیہ : کیا بات ہے ریحانہ بھابی' آپ اس قدر زور سے آوازیں دے رہی ہیں' خیریت تو ہے؟

ریحانہ : میری انگوٹھی چرا کر اب آپ مجھ سے خیریت پوچھ رہی ہیں۔جس طرح چپکے

سے آپ نے میری انگوٹھی کھسکائی ہے اسی طرح خاموشی سے واپس کر دیں۔ ورنہ پھر خیریت نہیں ہوگی۔

ثوبیہ : جب سے آپ اس گھر میں آئی ہیں آپ نے سب کا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے' میں آپ کا بہت لحاظ کر چکی ہوں۔ چوری کا الزام برداشت نہیں کروں گی۔ بہتر ہے کہ خاموش ہو جاؤ۔

ریحانہ : اپنی قیمتی انگوٹھی گنوا کر خاموش ہو جاؤں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں' چوری کرنا آپ کی پرانی عادت ہے اور نجانے کس کس کی چیزیں چرائی ہیں۔ وہ لحاظ کے مارے چپ کر گئے ہوں گے میں چپ نہیں رہوں گی۔

ثوبیہ : تم چھوٹے ذہن کی اور بہت احمق لڑکی ہو۔ پہلے اپنے شوہر پر شک کیا' اب مجھ پر الزام لگا رہی ہو۔

ریحانہ : مجھے شک نہیں یقین ہے' آپ چور ہیں چور۔

ثوبیہ : اپنی زبان کو لگام دو' ورنہ بہت برا ہوگا۔

(قدموں کی آواز)

عاصم : ریحانہ' تم بھابی پر چوری کا الزام لگا رہی ہو۔ تمہاری اس قدر جرأت' جس بڑی بھابی کو ہم ماں کے بعد احترام دیتے ہیں تم ان پر الزام لگانے کی ہمت کر بیٹھی ہو۔

ریحانہ : آپ خوامخواہ اپنی بھابی کی حمایت کر رہے ہیں اور آپ کو مجھ سے ذرا سی

ہمدردی نہیں کہ میری کتنی قیمتی انگوٹھی چرالی گئی ہے۔

عاصم : انگوٹھی کتنی بھی قیمتی سہی میری بھابی کی عزت سے بڑھ کر نہیں۔ تمہیں ان سے معافی مانگنا ہوگی۔

ریحانہ : یہ عجیب بات ہے ایک تو میں اپنا نقصان کراؤں' دوسرا معافی بھی میں ہی مانگوں۔

راضیہ : ریحانہ' تم اپنے کمرے میں انگوٹھی تلاش کرو۔ ثوبیہ بہت اچھی اور نیک عورت ہے۔ تم نے اس پر الزام لگا کر اچھا نہیں کیا۔

ریحانہ : اگر اس نے انگوٹھی نہیں چرائی تو گھر میں اور کون ہے؟ نسرین اور آپ! ویسے آپ بھی میرے کمرے میں آئی تھیں۔

(تھپڑ کی آواز)

عاصم : تمہاری یہ مجال کہ میری ماں پر شک کرو!

(ریحانہ رونے لگتی ہے۔)

عاصم : اب تم روتی رہو ساری زندگی۔ (حیرت سے) آ...... آپ خالہ جان ...... آپ اس وقت۔

آسیہ : ہاں' میں بڑے صحیح وقت پر پہنچی ہوں' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ میری بیٹی کے ساتھ اس گھر میں کیا حشر ہو رہا ہے۔ میں نے آپ لوگوں کی ظاہری شرافت پر اعتبار کر کے اپنی بیٹی کی زندگی تباہ کر دی۔

راضیہ : بہن' ہر گھر میں چھوٹے موٹے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ آپ حوصلہ

رکھیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔

آسیہ : اپنی بیٹی کو زندہ درگور دیکھنے کا کیسے حوصلہ کرلوں۔ اُٹھو بیٹی! چلو میرے ساتھ، میرے گھر کے دروازے ہمیشہ تمہارے لیے کھلے ہیں۔

ریحانہ : چلیں امی، اب میں یہاں ایک پل نہیں رہ سکتی۔

راضیہ : رک جاؤ بیٹی! میں عاصم کو سمجھا لوں گی، عاصم کے ابا جان اس وقت گھر پر نہیں ہیں، ورنہ تم جانتی ہو وہ تمہاری حمایت میں عاصم سے کتنا ناراض ہوتے ہیں، ان کو تو گھر آ جانے دو۔

ریحانہ : نہیں! میں ابھی چلوں گی۔ اسی وقت، چلئے امی۔

عاصم : ریحانہ، جلد بازی میں اپنا گھر خراب نہ کرو۔

ریحانہ : جس کی زندگی ہی خراب ہو چکی ہو وہ گھر کی کیا پروا کرتا ہے، میں جا رہی ہوں۔
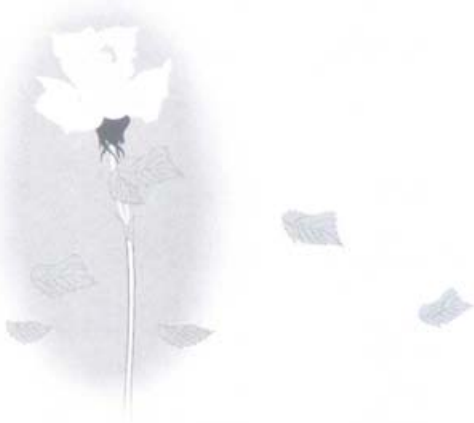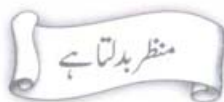
(فون کی گھنٹی بجتی ہے)

ریحانہ : ہیلو!

سلمٰی : کیا حال ہے ریحانہ؟

ریحانہ : سلمٰی، میرا خیال تھا ثوبیہ بھابی نے انگوٹھی چرائی ہے لیکن وہ تو میرے پرس کی اندرونی جیب سے نکل آئی۔

سلمٰی : دیکھو! اب تم کہیں اپنی غلطی مان نہ لینا، ورنہ ثوبیہ جب سچ مچ تمہاری کوئی چیز چرالے گی تو کوئی نہیں مانے گا۔

ریحانہ : ہاں! مجھے بھی بڑا مشکل لگ رہا ہے کہ اپنی غلطی مانوں۔

سلمٰی : بہر حال وہاں تمہاری زندگی تو اجیرن ہو چکی تھی۔ اچھا ہوا اس بہانے تم واپس آ گئی ہو۔

ریحانہ : تو کیا اب مجھے ساری زندگی ماں باپ کے گھر بیٹھنا ہوگا۔

سلمٰی : اسی کو اپنا مقدر سمجھ کر صبر کر جاؤ۔ اس جہنم میں واپس جانے کی بھول نہ کرنا۔

ریحانہ : سلمٰی، آپا جی آ رہی ہیں، میں پھر تمہیں فون کروں گی۔

سلمٰی : آپا جی کون......؟

ریحانہ : جن سے میں نے قرآن شریف پڑھا تھا۔ اچھا اللہ حافظ!

سلمٰی : اللہ حافظ!
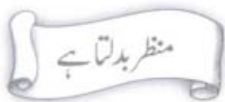
(فون رکھنے اور قدموں کی آواز)

ریحانہ : السلام علیکم!

آپا جی : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! جیتی رہو بیٹی، کیا حال ہے تمہارا؟

ریحانہ : جی ٹھیک ہوں۔

آپا جی : ان سے ملو یہ میری بھانجی لگتی ہے۔ثریا نام ہے اس کا۔

ریحانہ : السلام علیکم!

ثریا : وعلیکم السلام!

آپا جی : تمہاری امی کہاں ہیں؟

ریحانہ : امی ذرا پڑوس میں گئی ہیں، آتی ہی ہوں گی۔آپ بیٹھیں نا!

آپا جی : بیٹی! تم اپنے گھر میں خوش تو ہو نا!

ریحانہ : جی، جی ہاں! بس خوش ہی ہوں۔

آپا جی : لیکن یہ اڑی اڑی سی رنگت، اداس چہرہ، نہ کوئی سنگھار، نہ زیور کپڑے؟ ایسی ہوتی ہیں نئی دلہنیں۔

(ریحانہ رونے لگتی ہے)

آپا جی : میں تمہاری استانی ہوں۔ تمہیں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔ تم پریشان ہو' بیٹی' کچھ تو مجھے بتاؤ۔

ریحانہ : کیا بتاؤں آپا جی' میری قسمت ہی اچھی نہ تھی۔ ساس نندیں کام بتاتی تھیں۔ میاں شادی سے پہلے کسی اور کو پسند کرتے تھے۔ جیٹھانی سے ذرا ان بن ہوئی تو میاں نے مجھ پر ہاتھ اُٹھالیا۔ بس میں امی کے ساتھ یہاں آ گئی۔

آپا جی : اچھا بیٹی ! اللہ کرے تمہارے حالات اچھے ہو جائیں۔ میری یہ بھانجی بھی حالات کی ماری ہوئی ہے۔ میں اسے تمہاری امی کے پاس لائی تھی۔ سنا ہے تمہاری امی کی سہیلی کا سکول ہے۔ ان سے کہوں گی اسے سکول میں ملازمہ رکھوادیں۔

ریحانہ : ملازمہ......؟ لیکن یہ تو پڑھی لکھی اور اچھے خاندان کی ہیں۔

آپا جی : جب اچھے خاندان کی پڑھی لکھی لڑکیوں پر براوقت آ جائے تو وہ ملازمہ بننے پر بھی مجبور ہو جاتی ہیں۔

ریحانہ : بُراوقت......؟

آپا جی : ہاں ثریا! ذرا تم اپنی کہانی سناؤ۔

ثریا : میری عمر ڈھلتی جا رہی تھی لیکن کوئی مناسب رشتہ نہ آتا تھا۔ کوئی آتا تو جہیز کی لمبی چوڑی لسٹ ساتھ لے کر آتا۔ میرے والدین ان کی فرمائش پوری نہ کر پاتے اور وہ واپس لوٹ جاتے۔ میرج بیورو کے ذریعے میری وسیم سے

شادی ہوئی۔

ریحانہ : کیا انہوں نے جہیز کا مطالبہ نہیں کیا......؟

ثریا : پہلے نہیں کیا' انہوں نے سادگی سے نکاح کر لیا کہ چند ماہ بعد رخصتی کریں گے۔ اس کے بعد انہوں نے بھاری جہیز کا مطالبہ کر دیا۔ میرے والد نے مجبور ہو کر اپنا گھر بیچا' ان کا مطالبہ پورا کیا اور میری رخصتی ہوئی۔

ریحانہ : اف وہ کس قدر لالچی تھے۔

ثریا : دنیا کے دکھاوے کو انہوں نے مجھے شادی پر بھاری زیور پہنائے لیکن ہفتہ بعد مجھ سے چھین کر سنار کو واپس کر دیئے۔ چند دن نہ گزرے تھے کہ وسیم نشہ میں مست گھر آئے اور مجھ سے جہیز کے زیور مانگے۔ میں نے انکار کیا تو مجھے ڈنڈے مار مار کر لہولہان کر دیا۔ یہ دیکھو میری گردن اور بازو پر ابھی بھی نشان موجود ہیں۔

آپا جی : یہ تو شکر ہوا ہمسائے شور سن کر آ گئے اور اسے ہسپتال لے گئے۔ انہوں نے اس کے ابو کو بلوایا' اس کی حالت دیکھ کر اس کے ابو پر دل کا پہلا اٹیک ہوا۔ یہ اپنے ابو کو مزید دکھ نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے سسرال واپس چلی گئی۔

ریحانہ : اوہ! تو کیا ان لوگوں کو اس کا احساس ہوا؟

ثریا : احساس کیا ہونا تھا۔ ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک عورت میرے گھر آئی اور مجھ سے کہنے لگی: میں وسیم کی بیوی ہوں۔ جب میں نے اُسے بتایا کہ وسیم

سے میری شادی ہوئی ہے تو اس عورت نے بھی مجھے مارا۔

ریحانہ : تو کیا اس نے دھوکے سے آپ سے شادی کی؟

ثریا : جی ہاں! مجھے لوگوں سے پتا چلا شادی کرنا اور بیوی سے زیورات اور جہیز چھین لینا وسیم کا معمول ہے۔ نجانے اس طرح کتنی بار کر چکا ہے۔

ریحانہ : کیا دنیا میں ایسے فریبی اور ظالم لوگ بھی ہیں؟

ثریا : اس دن تو مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی جب وسیم نے مجھے بتایا کہ یہ گھر چھوڑنا ہوگا کیونکہ وہ گھر جوئے میں ہار چکا ہے۔ میں اپنے بیمار باپ کے گھر واپس نہ جانا چاہتی تھی۔ وسیم کے آگے منت سماجت کی تو وہ مجھے گاؤں میں اپنے والدین کے گھر چھوڑ آیا۔

ریحانہ : والدین کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا تھا؟

ثریا : وہ وسیم کی شادی اپنے رشتہ داروں میں کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے پہلے روز سے ہی مجھے قبول نہ کیا تھا۔ انہوں نے گھر کی ذمہ داریاں مجھ پر لاد دیں اور مجھ سے ایسے کام کرائے جو میں نے کبھی سوچے بھی نہ تھے۔

ریحانہ : مثلاً کیا کام......؟

ثریا : وہ مجھے کنویں سے گھڑے بھر کر لانے اور کھیتوں سے گھاس اور لکڑیاں اُٹھا لانے کا کہتے۔ بھینس کو چارہ ڈالنا، لسی بلونا، کھانا پکانا، صفائی کرنا، برتن دھونا اور کپڑے دھونا سب میرے ذمہ تھا۔ میں تھک جاتی اور کام سے انکار

کرتی تو مجھے ان کی سخت باتیں سننی پڑتیں۔آخر میں بیمار ہوگئی۔

ریحانہ : توبہ توبہ ! پھر کیا ہوا؟

ثریا : میرے والد مجھے ملنے آئے تو میری حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔وہ مجھے چند دنوں کے لیے آرام کی خاطر گھر لے آئے۔لیکن ابھی چند دن نہ ہوئے تھے کہ مجھے وسیم کی طرف سے طلاق نامہ مل گیا۔میرے والد یہ دکھ نہ سہہ پائے اوران کی حرکتِ قلب بند ہوگی۔

ریحانہ : بہت افسوس ہوا۔دنیا میں اتنے برے شوہر اور سسرال بھی ہوتے ہیں' یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا۔

ثریا : والدین کے بعد کوئی اپنا نہیں بنتا۔بھائیوں کے گھر گئی تو بھابیوں اور رشتہ داروں کے طعنے سہنے پڑ گئے۔ہر کوئی سمجھتا تھا اسے طلاق ہوئی ہے تو اسی کا قصور ہوگا۔بھائی بھی مجھے خود پر بوجھ سمجھنے لگے تھے۔میں مختلف سکولوں میں ٹیچر کا انٹرویو دینے گئی لیکن ناکامی ہوئی۔اب سوچتی ہوں کسی سکول میں ملازمہ کی نوکری مل جائے تو وہ بھی قبول کرلوں۔

ریحانہ : کتنی دکھ بھری کہانی ہے آپ کی۔

ثریا : بیٹی'اب ذرا تم بھی اپنے حالات سناؤ۔

ریحانہ : آپاجی' ثریا باجی کی باتیں سن کر میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔سچ تو یہ ہے میرا میاں اور سسرال بہت اچھا ہے میں نے ہی ان کی قدر نہ کی اور سلمٰی کے کہنے

پر اپنی زندگی برباد کر لی۔

آپا جی : تم اس سلمیٰ کی بات تو نہیں کر رہیں جو بچپن میں مجھ سے قرآن مجید پڑھنے آتی تھی؟

ریحانہ : جی ہاں' آپا جی۔

آپا جی : وہ تو میری بہو کی بھی سہیلی ہے۔ اس نے کیا کہا تمہیں؟

ریحانہ : اس نے بتایا وہ پہلے میرے سسرال کے پڑوس میں رہتی تھی۔ اس نے سب کی برائیاں کیں اور کہا کہ سب کو دبا کر رکھنا۔ کسی کی بات نہ ماننا' زیادہ کچھ کہیں تو اپنی امی کے گھر آ جانا۔

آپا جی : ارے! وہ اپنے غصے میں اتنی آگے بڑھ گئی کہ اپنی ہی سہیلی کا گھر انتقام کی آگ میں جھونک دیا۔

ریحانہ : کیسا انتقام؟

آپا جی : وہ تمہارے میاں عاصم سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کسی سہیلی کے ذریعے عاصم کو کہلوایا تو اس نے انکار کر دیا۔ سہیلی نے اس کے ماں باپ سے بات کی تو وہ بھی نہ مانے۔ بس اسی بات کا رنج ہے اُسے۔

ریحانہ : افوہ! میں سمجھ گئی۔ اسی لئے جب میں ناراض ہو کر امی کے گھر آ گئی تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ اُسے خوش دیکھ کر میرے دل میں کچھ کھٹکا ضرور تھا۔ لیکن میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ جس سہیلی پر اتنا اعتماد کروں گی وہ اس طرح دھوکا دے

گی۔امی جان آ گئیں۔

آسیہ : السلام علیکم!

ثریا+آپا جی: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آسیہ : کیا حال ہے آپا جی؟

آپا جی : اللہ کا شکر ہے۔میرا اچھا حال ہے' آپ سنائیں۔

آسیہ : میں بھی اللہ کے فضل سے ٹھیک ہوں۔لیکن ریحانہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔اچھا ہوا آپ آ گئیں' ریحانہ کے سلسلے میں میں آپ سے مشورہ چاہتی تھی۔

آپا جی : یہ میری رشتہ دار ہے ثریا۔اس کی زندگی کے بارے میں میں نے پہلی مرتبہ بھی آپ کو بتایا تھا۔اس کے حالات سن کر ریحانہ کو سمجھ آ گئی ہے۔

ریحانہ : میں غلطی پر تھی امی' کاش !آپ بھی مجھے گھر لے آنے کی بجائے سمجھا دیتیں۔عاصم نے مجھے روکا' میں نہ رکی۔اب ان کے دل میں میرے لیے اچھے جذبات نہیں رہے ہوں گے۔

آپا جی : معاف کرنا آسیہ بہن' مائیں ہی بیٹیوں کے گھر بناتی ہیں اور مائیں ہی بگاڑتی ہیں۔

آسیہ : یہ بھی تو غم و غصے سے پاگل ہو رہی تھی' اسے کیا سمجھاتی۔

آپا جی : میں آپ دونوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ اچھی باتیں سمجھانا چاہتی

ہوں۔ہمیں زندگی میں بہت کچھ برداشت کرنا اور جھیلنا پڑتا ہے۔لیکن اگر ہم قرآن وحدیث سے واقف ہوں تو زندگی مشکل نہیں رہتی۔

آسیہ : آپ نے ہمیشہ میری راہنمائی کی ہے۔ مجھے اور ریحانہ کو ضرور اچھی باتیں بتائیں۔

آپا جی : سب سے پہلے میں یہ کہوں گی کہ مرد گھر کا سربراہ اور کفیل ہوتا ہے۔ہمیں اس کی اہمیت تسلیم کرنی چاہیے۔اسے عزت، احترام اور مقام دینا چاہیے۔ اُسے اس کی مالی حیثیت سے بڑھ کر فرمائشیں کرکے آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔سورۃ النساء آیت 34 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ○

(ترجمہ)''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس بنا پر کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''

آسیہ : اس میں کوئی شک نہیں۔

آپا جی : اور نہ ہی ہمیں اپنے خاوندوں سے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ صرف آپ کی بات مانیں اور ماں باپ بہن بھائیوں کو اہمیت نہ دیں۔جس طرح اسلام میں بیوی کے حقوق ہیں اسی طرح دوسرے رشتوں کے بھی حقوق ہیں۔ماں کے بارے میں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا''جنت ماں کے قدموں تلے

ہے۔" پھر ہم بیویاں کیوں چاہتی ہیں کہ ماؤں سے ان کے بیٹوں کو دور کر کے انہیں جنت سے محروم کر دیں۔ کیوں نہ خاوند کی ماں کو اپنی ماں جیسا احترام دیں اور اپنے لیے بھی جنت کا راستہ چنیں۔

ریحانہ : میں عاصم کی امی سے ضرور معافی مانگوں گی اور عاصم کی بڑی بھابی سے بھی۔ وہ کہتے تھے ہم ماں کے بعد انہیں مقام دیتے ہیں۔ میں نے ان پر چوری کا شک کیا۔ اللہ مجھے معاف کرے!

آپا جی : تم اللہ اور رسول کی فرمانبردار رہو گی تو اللہ تمہیں معاف کرے گا اور تمہیں زندگی کی نعمتوں سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب آیت 31 میں فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا o

(ترجمہ) "اور جو تم میں سے اللہ اور رسول کی فرماں بردار رہے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دہرا ثواب دیں گے اور اس کے لیے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔"

ریحانہ : آپا جی، مجھے وقت پر ہوش آ گیا لیکن نجانے اب عاصم مجھے دل سے قبول کرے گا یا نہیں، میں اُسے ناراض کر کے آئی ہوں۔

آپا جی : اللہ خیر کرے گا بیٹی۔

ریحانہ : آپا جی! میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔

آپا جی : میں بھی ذرا ثریا کے سلسلے میں تمہاری امی سے بات کرلوں، پھر تمہاری چائے بھی پی لوں گی۔
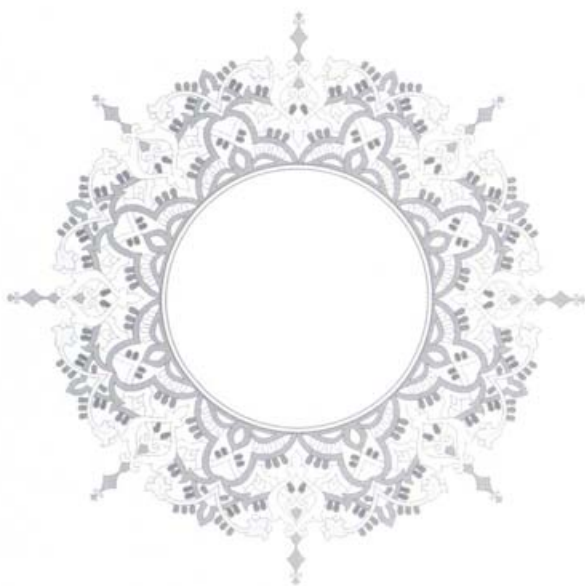
عاصم : ابا جان! آپ نے خوامخواہ ریحانہ کی حمایت کر کے اُسے سر چڑھا لیا۔ اب آپ پلیز مجھے مجبور نہ کریں کہ میں اُسے گھر واپس لے آؤں۔ اس نے گھر کا سکون برباد کر دیا۔ مجھے اس سے نفرت محسوس ہونے لگی ہے۔

طاہر : جذباتی نہ بنو بیٹا! اپنا گھر بسانے کے لیے مرد کو حوصلہ اور تحمل رکھنا پڑتا ہے۔ صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث شریف ہے۔ اپنی بیوی میں کوئی برائی پا کر اس سے نفرت نہ کرو۔ اگر تم غور کرو گے تو اچھی بات بھی اس سے نکل آئے گی۔ عاصم بیٹا، تم بھی سوچو اگر ریحانہ ناسمجھ اور غصیلی ہے تو اس میں کئی باتیں اچھی بھی ہیں۔ وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ وہ سمجھدار ہو جائے گی۔ تم نے اس پر ہاتھ اُٹھایا جو اللہ اور رسول کو سخت ناپسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عورت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔

عاصم : ابا جان، میں نے اس کے ساتھ اچھا رویہ رکھنے کی کوشش کی۔ جو بات مجھے بُری لگی میں نے برداشت کی، لیکن امی اور بھابی کے ساتھ اس نے جیسا رویہ رکھا وہ میرے لیے ناقابل برداشت تھا۔

راضیہ : بیٹا، ماؤں کو اپنی بیٹیوں کی بھی باتیں سہنا پڑتی ہیں۔ بہوئیں بھی تو بیٹیاں

ہوتی ہیں۔تم ریحانہ کو گھر لے آؤ۔میں اُسے معاف کردوں گی۔

عاصم : امی کیا واقعی؟

راضیہ : ہاں بیٹا اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ آیت 187 میں میاں بیوی کے لیے فرمایا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ.

''وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔''

عاصم بیٹا جو عورت میرے بیٹے کے اس قدر قریب ہو اس کی عزت ہو میں اس کے لیے دل میں کیسے بغض رکھ سکتی ہوں۔ بیٹا، تمہیں میری وجہ سے اس پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔عورت تو پھول کی طرح نازک ہوتی ہے۔

عاصم : آپ بہت عظیم ہیں امی کاش! ریحانہ سمجھ سکے تو میں بھی اس سے معذرت کرلوں۔
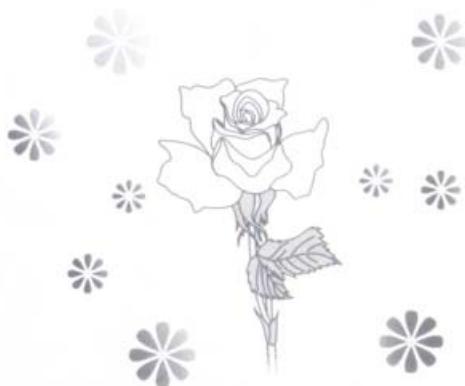
آسیہ : ریحانہ بیٹی، کل تمہارے ابو کراچی سے واپس آ رہے ہیں۔ وہ تمہیں میکے میں روٹھ کر بیٹھا دیکھیں گے تو بہت پریشان ہوں گے۔ انہوں نے تمہارے سسرال والوں سے تمہاری باتیں سن لیں تو سوچو ان کے دل پر کیا گزرے گی۔

ریحانہ : لیکن امی کتنے دن ہو گئے، عاصم آئے اور نہ ان کا فون آیا۔ وہ اور ان کے گھر والے نجانے کتنے غصے میں ہوں گے۔ میں گھر گئی تو وہ مجھ سے بہت برا سلوک کریں گے۔ میرا دل ڈرتا ہے امی۔

(کال بیل کی آواز)

آسیہ : ذرا دیکھو بیٹی، کون ہے۔

(قدموں کی آواز)

ریحانہ : (حیرت و مسرت سے) آ.......... آپ...... آپ عاصم؟

عاصم : السلام علیکم! آپ اس قدر حیران کیوں ہیں؟

ریحانہ : میں ابھی ابھی آپ ہی کا ذکر کر رہی تھی۔ بلکہ میں تو آپ کا انتظار کر رہی تھی۔

عاصم : انتظار.......... میرا؟

ریحانہ : ہاں ہاں! میں نے تو اپنا سوٹ کیس بھی تیار کر رکھا ہے۔ عاصم، مجھے جلدی

سے گھر لے چلیں۔ میں امی جان' ابا جان بھابی' ثوبیہ اور نسرین سب سے معافی مانگ لوں گی۔

عاصم : انہوں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ وہ سب تمہارے منتظر ہیں۔

ریحانہ : (آواز دے کر) امی...... امی جان! دیکھیں عاصم آئے ہیں۔ مجھے لینے...... میں گھر جا رہی ہوں۔ اپنے گھر۔
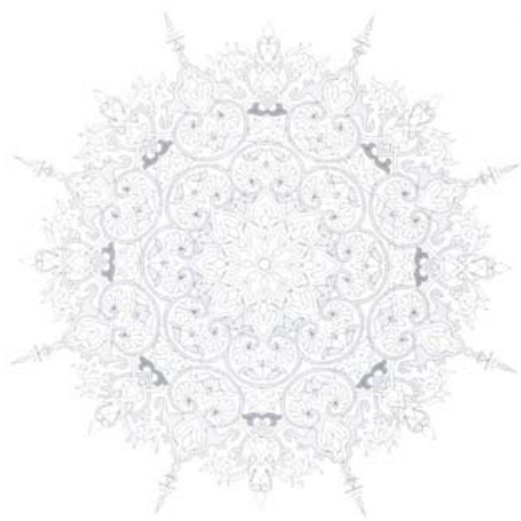
اخلاقی خرابیاں، معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہیں۔ لگائی بجھائی، سنی سنائی باتوں پر یقین اور غیبت کی آنچ، رشتوں کو جھلسا کے رکھ دیتی ہے۔

عورت، معاشرے کی اساس ہے، کسی بھی خاندان میں اُس کا کردار انتہائی کلیدی ہوتا ہے۔ اُس کی خوبیاں گھروں میں اُجالا بھر دیتی ہیں، کہیں وہ نیکی کی تصویر نظر آتی ہے، تو کہیں عفت کی تدبیر، کہیں مہر و وفا کا پیکر، تو کہیں صبر و ایثار کا مظہر.........

لیکن

یہی عورت جب کج فہمی کا مظاہرہ کرتی ہے، دوسروں کے کہے پر بغیر سوچے سمجھے ایمان لے آتی ہے، اپنی اور دوسروں کی زندگی کو شک کے زہر سے آلودہ کر دیتی ہے، تو پھر...... اپنے گھر کے کیف آمیز، ہنستے بستے ماحول کو اُجاڑ کر رکھ دیتی ہے۔

ایسے میں صرف تحمل، بردباری اور سمجھداری جیسی صفات سے حالات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اپنی غلطی کا احساس اور اُس کا اعتراف کر لینا' بگاڑ کے اثرات کو زائل کرنے میں بہت مدد دیتا ہے...... اور یہی سب سے قیمتی اور بنیادی حقیقت ہے...... ندامت کے آنسوؤں کی بارش گناہوں کو دھو ڈالتی ہے، دلوں کے میل کو بہالے جاتی ہے.......... رشتوں کی تقدیس بحال ہو جاتی ہے۔ ڈراما ''اپنا گھر'' رشتوں کی نزاکت آمیز پیچیدگیوں پر مبنی ایک اصلاحی اور منفرد تجربہ ہے..... ایسا منفرد کہ دل کی زبان سے اس کا مطالعہ کرنے والا اس کے گہرے اور مثبت اثرات سے انکار نہیں کر سکے گا۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ